جلد ۴۷ مورخہ ۱۴ / ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۱۴ / ۲۱ صلح سنہ ۱۳۲۲ ہش نمبر ۱ و ۲

الحکم کی سینتالیسویں جلد کا آغاز

الحکم ۱۸۹۷ء میں جاری ہوا۔ اس لحاظ سے بحساب ترتیب سنین اس سال کے آغاز کے ساتھ سینتالیسویں جلد شروع ہونی چاہیئے۔ گذشتہ اور اس سے پہلے سال کے درمیان چونکہ ایسی تعویق پیدا ہو گئی تھی۔ کہ جو جلد شروع تھی۔ وہ مکمل نہ ہو سکی۔ اسلئے میں نے دونوں سالوں میں ایک ہی جلد رہنے دی۔ تاکہ ایک جلد مکمل ہو سکے۔

مگر

اب جبکہ سال ختم ہو گیا ہے۔ میں نے پسند کیا۔ کہ میں جلد کی اس ترتیب کو جو سن کے حساب سے ہے۔ قائم رکھوں۔ اس لئے احباب نوٹ فرمالیں۔ کہ ۴۵ کے بعد ۴۶ جلد کی بجائے یہ جلد سینتالیسویں شمار کی جائے گی۔

کلمۂ اولیٰ

ہمارا یہ طریق رہا ہے۔ کہ سال کے پہلے نمبر میں ہم ایک مقالہ بطور کلمۂ اولیٰ کے تحریر کیا کرتے ہیں۔ جس میں گذشتہ پر ایک نظر اور آئندہ کے لئے ایک خوشی آئند امید پیدا کر کے کوئی طریق کار تجویز کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارا گذشتہ سال حسب معمول مشکلات کا سال رہا۔ اور آئندہ کے لئے بھی مشکلات ویسے ہی نظر آرہے ہیں۔ اگرچہ ایک شعاعِ امید بھی ٹمٹما رہی ہے۔ جنگ نے اسباب کا بہت بڑی حد تک خاتمہ کر دیا ہے۔ اور یہ مصیبت کسی ایک فردِ واحد کی مصیبت نہیں۔ بلکہ دنیا بھر کی مصیبت ہے۔ اس میں کسی کا بس اور چارہ نہیں۔ اس لئے جہاں تک جنگ کی مشکلات اور کاغذ کا فقدان اور سامانِ طباعت کی گرانی کا تعلق ہے۔ وہاں تک بے بسی اور مجبوری ہے۔

لیکن جہاں تک ہماری ذاتی محنت اور سعی کا تعلق ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ کسی قسم کی کمی نہیں رہنے دی جائیگی۔ الحکم کو جاری رکھنے کے لئے ہم نے بلعونہٖ تعالےٰ ہر ممکن سعی برتی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے۔ کہ ہم اس وقت تک اپنی سعی میں ایک حد تک کامیاب ہیں۔ آگے بھی اس کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے امید کرتے ہیں۔ کہ وہ ہماری دستگیری فرمائے گا۔ اور ہم کو توفیق دے گا۔ کہ ہم اسکو جاری رکھ سکیں۔ اسی کے نام سے ابتدا ہے اور اسی کے نام پر انتہا۔ وہی سب کچھ ہے۔ اور ہم کچھ بھی نہیں۔ وہ ساری قوتوں۔ ساری طاقتوں اور ساری برکتوں اور فیوض کا مصدر اور منبع ہے۔ اس لئے اسی کے نام سے اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس سال کے لئے قلم اٹھانے اور خدمت کرنے کا عزم کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(محمود احمد عرفانی)

ترکی اخبار نویسوں کا وفد ہندوستان میں

ترک اخبار نویسوں کا وفد ہندوستان پہنچ چکا ہے۔ ہم اخبار الحکم کی طرف سے اپنے معزز معاصرین کو ہندوستان کی زمین پر اترنے کی تقریب پر اھلاً و سھلاً و مرحبًا کہتے ہیں۔ ترکوں کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کو ہمیشہ ایک لگاؤ اور محبت رہی ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ ترک اخبار نویسوں کا ہر جگہ ویلکم کیا جائے گا۔

ترک چونکہ فرقہ بندیوں کے جھگڑے میں جکڑے ہوئے نہیں ہیں۔ اسلئے میرا ان کو مخلصانہ مشورہ ہے۔ کہ ان کو ہر ایسی جگہ کا دورہ کرنا چاہیئے۔ جہاں جاکر وہ اپنی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ کر سکیں۔ ایسے مقامات میں سے قادیان بھی ایک اہم مقام ہے۔ قادیان کیا اس لحاظ سے کہ اس کا ترکی کی تاریخ کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ بھی قابل دید ہے۔

قدیم ترکی جس کا خاتمہ سلطان وحید الدین کے استامبول سے بھاگ جانے پر ہوا۔ اس کے خاتمہ کے متعلق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بہت مدت قبل ۱۸۹۷ء میں ایک پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور اس پیشگوئی کے مطابق قدیم ترکی کا انجام ہوا۔ سلطان عبد الحمید خاں اس وقت سلطنت ترکی کے بادشاہ تھے۔ انہوں نے حسین بک کامی وائس قونصل مقیم کراچی کو قادیان بھیجا تھا۔ کہ وہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ کہ آسمانی قضا و قدر سے کیا پیش آنے والا ہے۔ اسکی درخواست پر جب حضور نے دعا کی۔ تو آپ کو بتلایا گیا۔ کہ سلطان کی سلطنت کی اچھی حالت نہیں اور میں کشفی طریق سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا۔ اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں"۔ چنانچہ جیسے کہ حضور نے خدا تعالیٰ سے علم پاکر فرمایا تھا۔ اس کے مطابق ہی ہوا۔ سلطان عبد الحمید خاں معزول ہوئے۔ اور بعد میں حالت گرتی چلی گئی۔ اور وحید الدین خاں کے ذریعے قدیم ترکی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور غازی کمال پاشا کے ہاتھ سے ایک جدید ترکی کا آغاز ہوا۔ باوجود ان شدید اختلافات کے جو مذہبی رنگ میں جماعت احمدیہ کو ترکوں سے تھے۔ اور ہیں احمدیہ جماعت نے ہمیشہ نئی ترکی کی تائید میں آواز اٹھائی۔ اور اس غرض کے لئے سلسلہ احمدیہ کے وہ مطالبات۔ کافی سے زیادہ ثبوت کے طور پر پیش ہو سکتے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً حکومت برطانیہ کے ذمہ دار حکام کے سامنے پیش ہوتے رہے۔ اور جن میں ترکوں کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے جماعت احمدیہ نے آواز اٹھائی۔ سب سے آخری چیز وہ ٹیلیگرام ہے۔ جو نظارت خارجہ سلسلہ احمدیہ نے صدر جمہوریہ غازی عصمت انونو کو غازی پاشا کی وفات اور ان کے نئے صدر ہونے پر دیا تھا۔ جس کا جواب جدید صدر جمہوریہ ترکی نے شکریہ کے ساتھ دیا تھا۔

اضافہ ہو سکے

میری کتاب قادیان
اور
اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر

احباب کو جیسے معلوم [illegible] میں نے ایک کتاب مرکز احمدیت۔ قادیان کی تصنیف کا کام گذشتہ ستمبر سے شروع کیا تھا۔ جو اللہ تعالےٰ کے محض رحم اور فضل سے سالانہ جلسہ پر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اور کتاب شائع ہو کر پبلک کے سامنے آگئی۔ اس کتاب کی تصنیف کے دوران میں اللہ تعالےٰ نے مجھ پر یہ خاص فضل فرمایا۔ کہ میری صحت کو اس حد تک اچھا رکھا۔ کہ میں اس کتاب کو لکھنے کے قابل ہو سکا۔ پھر اسی نے محض اپنے احسان کے ماتحت روپیہ کی مشکلات دُور فرما دیں۔ اور ایک بڑی رقم اس کتاب کی اشاعت کے لئے مہیا فرما دی۔ جس سے کتاب کی اشاعت کے میں قابل ہو سکا۔ اسی پر بس نہیں۔ کاغذ کی شدید نایابی نے اس وقت طباعت کے کام پر جس قدر اثر ڈالا ہے۔ [illegible] صاحب علم سے پوشیدہ نہیں۔ میر[illegible] دستور تھیں۔ مگر اللہ تعا[illegible] ان مشکلات [illegible]

[illegible] کے لئے بعض دوستوں نے شکایتیں بھی کی ہیں۔ ان کے توجہ دلانے سے مجھے بھی محسوس ہوا۔ کہ واقعی یہ فرو گذاشتیں رہ گئی ہیں۔ ان میں سے بعض کا تدارک تو میں بقیہ پانچ سو کتابوں میں جو ابتک نامکمل پڑی ہوئی ہیں کر دوں گا۔ اور بعض امور کا اس وقت تدارک کرنا ممکن نہیں۔ اگلے ایڈیشن میں تدارک کر سکوں گا۔ و باللہ التوفیق۔

صحابہ کا تذکرہ

صحابہ کے تذکرے میں میں نے جس قدر صحابہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس بڑی تعداد میں سے سوواں حصہ بھی نہیں۔ جو صحابہ موجود ہیں۔ یا گزر گئے ہیں۔ میں نے جن اسماء کا ذکر کیا ہے۔ ان کا ذکر بطور نمونے کے کیا ہے۔ اس سے میری غرض دوسرے صحابہ کی شان کو کم کرنا مقصود نہ تھا۔ چونکہ سارے صحابہ کا ذکر کرنا اس کتاب میں میرے امکان میں نہ تھا۔ اس لئے [illegible] چند کا ذکر کر دیا۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد بعض دوستوں نے بعض صحابہ [illegible]

[illegible]

سلسلہ کے اہل قلم حضرات کے قلم خاموش رہے۔ اب میں نے اس خدمت کو اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اور عزم کر لیا ہے۔ کہ اس کتاب کو جلد سے جلد شائع کرنے کے قابل ہو سکوں گا۔ و باللہ التوفیق۔

میری دوسری کتاب
امیر المؤمنین فضلِ عمر

ہو گی۔ اس کتاب میں کیا ہو گا۔ یہ آئندہ میں کسی مضمون میں تفصیل سے لکھ سکوں گا۔

یہ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی سیرت و سوانح پر مشتمل کتاب ہو گی۔ یہ کتاب چار اجزاء میں پانچ۔ پانچ سو صفحات پر مشتمل ہو گی۔ انشاء اللہ تعالےٰ اس کی پہلی جلد اس سال کے سالانہ جلسہ تک پیش کرنے کے میں قابل ہو سکوں گا۔ یہ کتاب نہایت شرح و بسط کے ساتھ شائع کی جائے گی۔ اور یہ ثابت کیا جائے گا۔ کہ آپ کا وجود اسلام اور احمدیت کے لئے بڑی برکتوں کا باعث ثابت ہوا۔ اور اس وقت دنیا میں جس قدر مسموم ہوائیں اور بنی نوع انسان کے لئے خطرناک تحریکیں رونما ہو رہی تھیں اور طوفانی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ان سب سے بچا کر ہماری کشتی کو لے جانا صرف اور صرف آپ ہی کا کام ہے۔ میں اپنی پوری طاقت اور قلمی قوت سے اس تصنیف میں اس مقام عظمت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ جو خدا تعالےٰ نے آپ کو دے رکھا ہے۔

میری تیسری کتاب
تعارف

[illegible] تمام جماعت کے ان اصحاب کا تذکرہ [illegible]

[illegible]

سیرت المہدیؑ کا ایک ورق

روایات مفتی چراغ الدین صاحب آف بٹالہ

(۱) میں کپور تھلہ میں بسلسلہ ملازمت گیا ہؤا تھا۔ کہ سردار محمدؐ خانصاحب جو بڑے مخلص صحابی تھے۔ اور سرکاری بگھی خانہ کے افسر تھے۔ وہ ایک دفعہ مہاراجہ بہادر کے ساتھ منصوری گئے ہوئے تھے۔ اور چار ہزار روپیہ کی مالیت کے گھوڑے پر سوار تھے۔ پیچھے سائیس تھا۔ جو دو ہزار روپیہ کی مالیت کے گھوڑے پر سوار تھا۔ اتفاقاً گھوڑا ایک کھڈ میں گر گیا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے انہیں بال بال بچالیا۔ گھوڑے لے کر انہوں نے کشمیر جانا تھا۔ جب وہ امرتسر پہنچے۔ تو انہوں نے خیال کیا۔ کہ میں پہلے قادیان حضرت صاحب سے ملاقات کر آؤں۔ پھر کشمیر جاؤں گا۔ چنانچہ قادیان پہنچے۔ کپور تھلہ کی جماعت پہلے ہی سے بقر عید کے موقعہ پر آئی ہوئی تھی۔ ہم سب حضور علیہ السلام کی ملاقات کے لئے گئے۔ اور محمد خانصاحب کا واقعہ سنایا۔ حضورؑ نے فرمایا۔ "محض اللہ تعالےٰ کا فضل ہے"!

(۲) اس موقعہ پر میں نے بھی عرض کیا۔ کہ حضرت جی۔ میری نوکری پولیس میں ہے۔ فرمایا۔ ہمارا آدمی ضرور پولیس میں ہونا چاہیئے۔ پھر میں نے عرض کیا۔ کہ مجھے دردیں ہوتی ہیں۔ افیون کھاتا ہوں۔ فرمایا کہ "ادویات میں سے ہے"

(۳) ہم نے چونکہ جانا تھا۔ لنگر کے انتظام کے مطابق کھانا کھا لیا۔ مگر چونکہ حضرت اقدسؑ کو کپور تھلہ کی جماعت سے خاص انس تھا۔ اسلیئے حضور علیہ السلام نے اس جماعت کے لئے اس دن پلاؤ تیار کروایا تھا۔ جب وہ تیار ہؤا۔ تو حضورؑ نے کسی سے فرمایا۔ کہ جماعت کپور تھلہ کو کھلا دو۔ اس شخص نے عرض کیا۔ کہ حضور وہ تو چلے گئے ہیں۔ فرمایا۔ یکہ پر کھانا بٹالہ لے جاؤ۔ جب وہ سٹیشن پر پہنچیں۔ تو کھانا پیش کر دو۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا آدمی یکہ پر کھانا لیکر ہمارے پاس سے گزر گیا۔ مگر ہمیں علم نہ ہؤا۔ جب ہم سٹیشن پر پہنچے۔ تو حضور علیہ السلام کی طرف سے کھانا پہلے سے موجود تھا۔ حضور کے آدمی نے کہا۔ کھانا کھالیں۔ ہم حیران ہوئے۔ کہ یہ کھانا کہاں سے آیا۔ اس پر اس نے سارا واقعہ سنایا۔

(۴) ایک دفعہ ہم قادیان گئے۔ میں اور محمدؐ خاں صاحب مرحوم کا لڑکا عبد المجید خاں حضور کو دبانے لگے۔ ہم نے پورے زور سے دبایا۔ اور آپس میں باتیں کیں۔ کہ حضور میں بہت طاقت ہے۔ ہم نے بڑے زور سے دبایا ہے۔ مگر حضور خاموش رہے۔ اور فرمایا کچھ نہیں۔ صبح حضور نے مجلس میں فرمایا۔ کہ ہمارے دوست بڑے زور سے دباتے ہیں۔ مجھے بڑی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ مگر میں خاموش رہتا ہوں۔ تاکہ وہ خوشی پوری کرلیں۔

(۵) ایک دفعہ میرے بھائی مفتی محمدؐ حسین صاحب نے لکھا۔ کہ کھیم کرن میں طاعون کا زور ہے۔ لوگوں کو اپنے مردے دفنانے کی فرصت نہیں۔ آپ آکر میرے بچے لے جائیں۔ میں کسی اور گاؤں میں جا رہتا ہوں۔ میں گیا۔ بچے لے آیا۔ جس رات میں بٹالہ آیا۔ میں نے اپنی والدہ کو کہا۔ کہ میں حضرت اقدسؑ کو سلام عرض کر کے کپور تھلہ واپس جاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے دن قادیان پہنچا۔ دس بجے کا وقت تھا۔ جونہی مسجد کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ کہ آگے تین شخص کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھ سے

(بتوسط صیغہ تالیف و تصنیف قادیان)

پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا اپنے پیر کو ملنے۔ انہوں نے کہا۔ ہمیں بھی لے لو۔ میں نے کہا۔ بسم اللہ آئیے۔ ان میں دو چچا بھتیجا تھے۔ اور تیسرے صاحب ایک مولوی اور حکیم تھے۔ جس نے مجھے کہا۔ کہ میں نے حضرت صاحب کی ایک تصنیف دیکھی ہے جس سے مجھے حضور کی زیارت اور بیعت کی تڑپ پیدا ہو رہی ہے۔ ہم دروازہ پر پہنچے۔ دستک دی۔ حضور علیہ السلام باہر تشریف لائے۔ حال سنایا۔ مجھے فرمایا کب سے آئے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ تیسرا چوتھا دن مجھے کپور تھلہ سے آئے ہوئے ہؤا ہے۔ بھائی کے بچے لینے گیا تھا۔ فرمایا کپور تھلہ کا اب کیا حال ہے۔ عرض کیا کہ پہلے ۳۰۔ ۳۵ مرتے تھے۔ اب پانچ چھ مرتے ہیں۔ فرمایا خانصاحب (محمد خاں مرحوم) آئے تھے۔ انہوں نے بھی بتایا تھا۔ پھر میں نے عرض کیا۔ کہ حضور یہ دو پرانے احمدی ہیں۔ مگر یہ تیسرے صاحب حیدر آباد سندھ کے ہیں۔ اور بیعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ میرا ہاتھ حضورؑ کے ہاتھ ہی میں تھا۔ کہ اوپر سے اس شخص نے ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے بعد دونوں مبایعین نے بھی اوپر ہاتھ رکھ دیئے۔ اسی حالت میں حضور نے اس شخص کی بیعت لے لی

(۶) اس کے بعد میاں نجم الدین صاحب مرحوم مہتمم لنگر خانہ آگئے۔ ان کو دیکھ کر حضورؑ نے فرمایا۔ کہ مفتی صاحب کو کھانا کھلاؤ۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور میں تو ہر وقت تیار رہتا ہوں۔ مگر مفتی فضل الرحمٰن صاحب کپور تھلہ والوں کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ اور وہیں کھانا کھلاتے ہیں۔ زاں بعد ہم مسجد سے نیچے اترے۔ اور حضرت مولوی صاحب (خلیفہ اول رضؓ) کو ملنے گئے۔ حکیم صاحب جو ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ وہ جگت استاد ہیں۔ خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیئے۔ خیر اس نے بازار سے ایک روپیہ کی مٹھائی لی۔ جب حضرت مولوی صاحب کے مطب میں گئے۔ آپ سے مصافحہ کیا۔ حکیم صاحب نے مٹھائی پیش کی۔ آپ نے مولوی قطب الدین صاحب کو فرمایا۔ یہ مٹھائی سب دوستوں میں تقسیم کردیں۔

(۷) ہم چاروں آدمی واپس بٹالہ کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں مولوی صاحب اور زمیندار کا بھتیجا آگے نکل گئے۔ اور میں اور بوڑھا آدمی پیچھے رہ گئے۔ مولوی صاحب نے اس لڑکے سے کہا۔ کہ وہ بوڑھے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ذرا ٹھیر جاؤ۔ خیر وہ ٹھیر گئے۔ جب ہم مل گئے۔ تو اس بوڑھے زمیندار نے کہا۔ کہ یہ راستہ جلد جلد چلنے کا نہیں۔ جتنا گرد اس میں پڑے۔ اتنا ہی ثواب ہے۔

(۸) راہ چلتے ہوئے چچا نے اپنے بھتیجے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ تم ضلع گوجرانوالہ کے فلاں سردار صاحب کو جانتے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ اس پر چچا نے بتلایا۔ کہ وہ سردار صاحب اور ان کا بیٹا دونوں احمدی ہیں۔ مگر ان کی بیوی اور بہو دونوں غیر احمدی تھیں۔ اتفاق سے بہو کو طاعون نے آگھیرا۔ اس نے اپنی ساس سے کہا۔ کہ میاں کو بلاؤ۔ نوکرانی گئی۔ اور سردار صاحب کو بلاکر لے آئی۔ سردار صاحب دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ بہو نے کہا۔ میاں صاحب ایک بیٹی ہوتی ہے۔ اور ایک بیٹی اور بہو ہوتی ہے۔ آپ میرے سامنے آکر کھڑے ہوں۔ وہ سامنے چلے گئے۔ بہو نے کہا۔ مجھے اس وقت غنودگی کی حالت میں کسی شخص نے کہا ہے۔ کہ تیرے خسر یا خاوند اگر قادیان سے آئے ہوں۔ تو ان کا کوئی کپڑا اپنے منہ پر رکھو۔ اور کلمہ شہادت پڑھ۔ تو اچھی ہو جائے گی۔ چنانچہ سردار صاحب نے اپنے لڑکے کا پٹکا منگوایا۔ جسے بہو نے اپنے منہ پر رکھا۔ اور کلمہ شہادت پڑھا۔ اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔ میری طرف سے بیعت کا خط لکھ دو۔ اس کے ساتھ اسکی ساس نے بھی ایسا ہی کہا۔ چنانچہ دونوں کی طرف سے بیعت کے خط لکھ دئے گئے۔

(۹) میرے بھائی کا لڑکا طاعون سے بیمار ہو گیا۔ میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا۔ میرے پاس حضورؑ کا ایک کرتہ تھا۔ جو میں نے مریض کے گلے میں ڈال دیا۔ خط کا جواب آیا۔ جو کہ مفتی محمدؐ صادق صاحب کا لکھا ہؤا تھا۔ جس میں تحریر تھا۔ کہ حضور نے دعا کی۔ اور میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اللہ شفا عطا فرمائے۔ وہ لڑکا خدا کے فضل سے اچھا ہو گیا۔ اور اب تک زندہ ہے۔ اور بال بچوں والا ہے۔

(۱۰) ہم اس زمانہ میں لنگر کے ٹکڑے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اگر کسی کو پیٹ میں درد ہوتی تھی۔ تو وہ کوٹ کر کھلا دیتے تھے۔ اور اوپر سے گرم پانی پلا دیتے تھے۔ مریض کو آرام آجاتا تھا۔

شیعہ صاحبان کی تبرا بازی

شیخ محمدؐ اسمٰعیل صاحب سرساوی کی بیان کردہ ایک روایت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاک مجلس میں ایک دوست نے شیعوں کا ذکر کر دیا۔ اور عرض کی کہ حضور! ہمارے محلے میں شیعوں کے گھر ہیں۔ اور وہ میرے ساتھ بہت چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض سنجیدہ مزاج ہیں۔ کبھی تلخ مزاجی سے کام نہیں لیتے۔ اور بعض ایسے بدمزاج ہیں۔ کہ صحابہ کرام کا نام بھی اچھے الفاظ میں نہیں لیتے۔ اس دوست نے عرض کی کہ حضور میں تو ان سے اعراض ہی کر لیتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ایسے لوگوں کا مقابلہ تو اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ ان کی گفتگو کسی خارجی سے کرادی جائے۔

پھر فرمایا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ ہم تو ان کے بزرگوں کی بھی عزت کرتے ہیں۔ اور ان کو راستباز ہی یقین کرتے ہیں۔ مگر یہ ایسے بدقسمت لوگ ہیں۔ جو دوسرے راستبازوں کی عزت نہیں کرتے۔ ایسے لوگ درحقیقت دہریہ طبیعت ہوتے ہیں۔ جو راستبازوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور ان کے اندر عیب دیکھتے ہیں۔ اور اپنے عیبوں پہ کبھی نظر بھی نہیں کرتے۔

پھر فرمایا۔ ہم تو ایسے منہ پھٹ لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

سالِ نو کے موقعہ پر الحکم کی طرف سے اپنے ناظرین کیلئے ایک قیمتی ہدیہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غیر مطبوعہ مخطوطات میں سے ایک دُرِّ نایاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصل وسائل اسلام تک پہنچنے کے لئے امور ذیل ہیں۔ یعنی علم ہستی باری۔ علم حسن و احسان۔ وعلم عظمت وجلال واستغنائے باری و ورزشِ تقوےٰ یعنی کفِ نفس از جذبات سبعی و بہیمی و وہمی و توبۃ النصوح یعنی رجوع الی اللہ بصدق و وفا و تخلق باخلاق اللہ و لاالٰہ الا اللہ یعنی تبرّی از عبادت غیر و تخلیہ قلب از ہر قسم شرک وصوم وصلوٰۃ وحج وزکوٰۃ وصحبت صادقین۔ ایثار عزت ومال وجان للہ۔

لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور دیگر تمام امور متذکرہ کا علم صحیح و یقینی و قطعی مجرد عقلی طریق سے حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔ اور بغیر تحقق شرط صحت و یقین کے یہ سب وسائل بیکار ہیں۔ اسلئے ان مدارج کے طے کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن شریف کے الہامی ہونے کا ثبوت بیان کرنا ازبس ضروری تھا۔ سو اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب بزرگ میں یہی طریق اختیار کیا ہے۔ مگر تکمیل مضمون اور صفائی بیان کے لئے اول عام طور پر ضرورت الہام کی ثابت کی ہے۔ اور پھر قرآن کے نزول کی ضرورت حقہ اور پھر اسکی پاک تاثیرات جو مومنوں کے دلوں پر اس نے کیں* اور کرتا ہے۔ اور پھر اسکی بے مثل و مانند بلاغت و فصاحت۔ اور اسکی جامعیت ظاہری و باطنی اور خارق عادت مجمع جمیع علوم ومعارف ہونا۔ اور اس کا ہر ایک غلطی سے بکلی منزہ و پاک ہونا۔ یہ چھ وسائل ہیں۔ جو قرآن شریف کا منجانب اللہ ہونا پختہ یقین سے ثابت کرتے ہیں اور ہر ایک الہامی کتاب کے الہامی ہونے پر پختہ یقین نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ایسے ہی بڑے زبردست وسائل سے اپنا منجانب اللہ ہونا ثابت کرے۔

حاشیہ *۔ اس مقام میں ٹیلر وغیرہ کی وہ شہادتیں لکھی جائیں گی۔ جو صحابہ کی استقامت و قوت ایمان و خلوص ایمان کے بارے میں انہوں نے پیش کی ہیں۔

(نوٹ) اس مختصر نوٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علوم کا ایک دریا کوزے میں بند فرما دیا ہے۔ ناظرین الحکم کو اس قسم کے بہت سے گوہر آبدار صرف الحکم ہی میں مل سکتے ہیں۔ جو عشاقِ احمد کے لئے شرابِ کہنہ کا کام دیتے رہیں گے۔ (ایڈیٹر)

بقائے الحکم کیلئے خاندانِ نبوت کا عملی اقدام

(از خاکسار عرفانی)

(۱)

الحکم کے نظام اشاعت میں بارہا مختلف قسم کی مشکلات اور ابتلاؤں نے خلل پیدا کیا۔ اور اس کے بدخواہوں نے ہر ایسے موقعہ پر یقین کیا۔ کہ وہ موت کے گھاٹ اتر رہا ہے۔ اور انہوں نے مختلف رنگوں میں اپنی خوشیوں کا اظہار بھی کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحم سے اس کو نئی زندگی نئی قوت اور بیدار روح عطا فرمائی۔ اور وہ ہر ایسے ابتلا سے نکل گیا۔ مجھے اعتراف ہے اور میں بصد فخر کہتا ہوں۔ کہ الحکم

زندہ گشتہ بعد مرگِ صد ہزار

(۲)

اس دور جدید میں جو ۱۹۳۴ء سے شروع ہوا۔ الحکم کا احیا نہایت شاندار تھا۔ مگر ۴۲-۱۹۴۱ء میں بعض ایسے اسباب پیدا ہوئے۔ کہ اسکی اشاعت معرضِ التوا میں آئی۔ میری مرکز سے غیر حاضری۔ عزیز مکرم محمود احمد صاحب عرفانی کی مسلسل علالت۔ اس کے نہایت ہونہار۔ وجیہہ اور متدین بیٹے محبوب کی وفات۔ اور عالمگیر جنگ کی وجہ سے پیدا شدہ معاشی مشکلات نے مل کر پھر ناگزیر حالات پیدا کر دئے۔ یہاں تک کہ حکومت نے اپنے ضابطہ اور قانون کی تعبیر سے ہمیں اپنے ہاتھ سے الحکم کے بند کر دینے کی تصدیق چاہی۔ میں یا محمود احمد عرفانی شاید موت کے وارنٹ پر بخوشی دستخط کر سکتے۔ مگر الحکم کے بند کر دینے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ (خدا کی مشیت کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا) بہر حال ان حالات کے پیدا ہونے پر پھر اسے جاری ہی کرنا پڑا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل کا مظاہرہ تھا۔ کہ انتہائی مشکلات میں اسے جاری رکھا گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۳)

جنگ نے صحافت کی راہ میں جو مشکلات کاغذ کی قلت و نایابی اور سامانِ طباعت کی گرانی کی صورت میں پیدا کر دی ہیں۔ وہ کوئی مخفی امر نہیں۔ بڑے بڑے اخبارات جن کے فنڈز میں لاکھوں روپیہ موجود اور جن کی آمدن بعض ریاستوں سے بھی زیادہ ہے۔ گھبرا گئے ہیں۔ وہ اپنے حجم کم اور قیمتوں میں اضافہ کرنے پر مجبور ہیں۔ ایسی حالت میں الحکم کا بقاء ایک تخیل سے زیادہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ جو نہ کسی سرمایہ سے جاری ہوا۔ اور نہ اب کوئی سرمایہ اس کے پاس ہے ہاں جب بے سروسامانی میں محض ایک مخلصانہ جوش سے اس کا اجرا ہوا تھا۔ اب تک کہ اس پر ۴۵ برس گذر چکے وہ خدا کے فضل سے زندہ ہے۔ اور میں اسکی دائمی زندگی اپنے محسن مولیٰ سے مانگتا ہوں۔

(۴)

گذشتہ رمضان شریف میں مجھے عزیز مکرم محمود احمد صاحب عرفانی اور الحکم کے لئے خاص طور پر توفیق دعا ملی۔ مگر عزیز محمود احمد صاحب نے آخر مجھے اوائل دسمبر میں لکھا کہ میں آئندہ سال الحکم کے چلانے کی ہمت نہیں پاتا۔ اور میرے لئے اسباب کے لحاظ سے بالکل تاریکی ہے۔ میں نے اسکو لکھا کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ سامان پیدا کر دے گا۔ اس سے پہلے بھی ہماری ہمت اور طاقت اس کے بقا کا موجب نہیں ہوئی۔ بلکہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی روح صداقت اس کے بقاء کا ذریعہ رہی ہے۔ اب بھی میں خدا تعالےٰ کے فضل کا امیدوار ہوں۔ اسی اثنا میں ایک معقول رقم کا میرا سرقہ ہو گیا۔ اور میرے لئے سالانہ جلسہ پر جانے کا بھی موقعہ بظاہر اسباب نہ رہا۔ ان حالات میں میں نے ایک خط محمود احمد کے نام لکھا۔ کہ وہ حضرت اقدس سے حالات کو پیش کر کے استصواب کرے۔ کہ آیا مجھے سالانہ جلسہ پر آنا چاہیئے۔ یا وہ اخراجات بقائے الحکم کے لئے دیدوں۔ یہ خط ڈاک میں ڈالا نہیں گیا تھا۔ میں نے مشورہ کے طور پر اپنے مکرم مخدوم حضرت سیٹھ عبد اللہ بھائی کو سنا کر پوچھا۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ خط کیا ڈالتے ہو۔ جانا ہی چاہیئے۔ الحکم کا بھی کچھ ہو ہی جائے گا۔ اس وقت تک نہ ان کے ذہن میں کوئی بات تھی۔ نہ میرے۔ البتہ مجھ کو یہ یقین ہو گیا۔ کہ حضرت سیٹھ صاحب کی بات کو اللہ تعالےٰ ضرور پورا کر دیگا۔ چنانچہ میں نے خط چاک کر دیا۔ اور عزم قادیان پختہ ہو گیا۔

(۵)

روانگی یعنی ۲۱ دسمبر ۱۹۴۲ء تک مجھے کوئی خیال نہیں آیا۔ لیکن عصر کی نماز کے بعد یکایک میرے دل میں ایک خیال گذرا کہ ۱۹۴۳ء کے لئے بارہ معاونین ایسے تلاش کئے جاویں جو ایک ایک ماہ کا خرچ دیں۔ تاکہ اخبار جاری رہ سکے۔ اس خیال کے گذرنے پر میں نے سوچا۔ کہ ایک تو میں ہو جاؤں گا (انشاء اللہ العزیز) حضرت سیٹھ صاحب اور حضرت نواب اکبر یار جنگ بہادر

بھی میری درخواست کو رد نہ کریں گے۔ باقی نو آدمی اور تجویز کئے جاویں۔ میں نے سرسری طور پر مکرمی مولوی محمود الحسن صاحب آئی۔سی۔ایس سے ذکر کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں بھی شریک ہوتا ہوں۔ اس سے میری امید میں قوت پیدا ہوئی۔ اور مجھے یقین ہوگیا کہ انشاء اللہ یہ کام ہو جائے گا۔

(۶)

جلسہ کے دن مجھے عزیز مکرم صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب سلمہ الصمد الاحد سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ اور میں نے نہایت سرسری طور پر ان سے ذکر کیا۔ اور اس میں میں نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے۔ کہ یہ کام ابناء فارس یعنی خاندان نبوت کے نونہال ہی کر دیں۔ ان سے بڑھ کر الحکم کی ضرورت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصر سعادت کی ایسی یادگار جس کو حضور نے اپنا بازو فرمایا۔ اور کون سمجھ سکتا ہے۔ اور حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا کہ دل یہی چاہتا ہے۔ کہ الحکم اپنی ظاہری صورت میں بھی زندہ رہے۔ انہوں نے پوچھا۔ موجودہ حالت میں کیا ماہانہ خرچ ہوگا۔ میں نے کہا دو دفعہ شائع ہوگا۔ اور ڈیڑھ سو روپیہ خرچ آئے گا۔ اس پر انہوں نے انتہائی مسرت سے فرمایا۔ بہت اچھا۔ ایک ماہ کا خرچ میں دوں گا۔ مجھے اجازت ہو۔ کہ اپنے بھائیوں کو شریک کر لوں۔ اس کے بعد معاً حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ملے۔ ان سے ذکر ہوا۔ تو انہوں نے کمال بشاشت سے فرمایا۔ اچھی بات ہے۔ بچوں کو تحریک کرو۔ تاکہ ان کو ایسے کاموں میں سبقت کی عادت ہو۔ میں اس مسرت کا الفاظ میں نقشہ بیان کر نہیں سکتا۔ جو ان کو اس تحریک سے ہوئی۔ اور اولاد کے متعلق سابق بالخیرات ہونے کا جذبہ اور جوش بھی ظاہر ہے۔

(۷)

اس تحریک نے مجھے ایک اور صورت سوجھائی۔ کہ حضرت امیر المؤمنین اور آپ کے صاحبزادگان سے (۳)، اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور صاحبزادگان (۲)، حضرت مرزا شریف احمد صاحب (۱)، اور صاحبزادگان حضرت نواب صاحب سے (۲) کی درخواست کروں گا۔ وہ میری درخواست کو یقیناً رد نہ فرمائیں گے۔ اور میں نے سمجھ لیا۔ کہ اس سال کے لئے یہی صورت بابرکت ہے۔ اس سے پہلے صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب آئی۔سی۔ایس سے ملتے۔ انہوں نے اپنے خاندان کی طرف سے ۲ کا وعدہ کر لیا۔ اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔ کہ ظفر مجھے شریک کر رہا تھا۔ میں نے اس کو کہا۔ کہ مجھ سے بھی مطالبہ ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ خود اپنے اندر ایک جذبہ مستقل طور پر اعانت کا رکھتے تھے۔ یعنی دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر نہیں۔ پھر عزیز مکرم مرزا خلیل احمد صاحب سے میں نے سرسری طور پر ذکر کیا۔ انہوں نے پوری توجہ اور دلچسپی سے سنا۔ اسی اثناء میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب دفتر الحکم کے سامنے ہی آ پہنچے۔ اور جیسا کہ خاندان نبوت کی عملی روایت ہے۔ کہ سلام علیکم میں ابتدا کرتے ہیں۔ اور اس خادم قدیم سے محبت سے ملتے ہیں۔ ملے اور میں نے یہ ذکر کیا۔ اور کہا کہ آپ کی طرف سے مرزا ظفر احمد صاحب نے سب سے پہلا وعدہ کر لیا ہے۔ سنکر فرمایا۔ کہ میرے لئے بھی دو ہی ماہ رکھو۔ ایک ظفر کا ایک میرا۔ ازاں بعد نواب عبداللہ خاں صاحب مجھ سے ملاقات کو تشریف لائے۔ اور انہوں نے فرمایا۔ کہ دو ماہ کا خرچ میں دوں گا۔ میں نے ان سے کوئی تحریک ابھی کی ہی نہیں تھی۔ نواب صاحبزادہ محمد احمد خاں صاحب نے بھی ایک ماہ کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا۔

عزیز مرزا صالح علی خلف مرزا صفدر علی مرحوم نے بھی ایک ماہ کا وعدہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد میں ملاقات کے لئے

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب سے ملنے گیا۔ اور ان کو اپنی تجویز سنائی۔ اور عرض کیا کہ آپ اور آپ کے بھائیوں کے لئے میں نے دو ماہ کا خرچ تجویز کیا تھا۔ مگر اب تو ایک ہی ماہ کا باقی ہے۔ آپ نے نہایت بشاشت سے فرمایا۔ کہ دو بھی کوئی بات نہیں۔ مگر میں نے عرض کیا۔ کہ اب تو ایک ہی چاہیئے۔ آپ نے ایسی بشاشت سے اسکو قبول کیا۔ کہ جو حقیقی ایمان کی بشاشت ہوتی ہے۔

(۸)

واپسی سے پہلے میں اپنے آقا و محسن کے حضور حصول اجازت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ کے لطف و کرم کی کس کس شان کو بیان کروں۔ خدا تعالے نے اسے آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن و احسان کی نظیر قرار دیا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی ہر ایک کلفت اور فکر دور ہو جاتا ہے۔ دوسرے امور عرض کرنے کے بعد اسی تجویز کا ذکر کرتے ہوئے میں نے عرض کیا۔ کہ پورے ۱۲ ہو چکے۔ حضور بھی تبرک کے طور پر کچھ عطا فرماویں۔ اور میں رخصت ہو کر چلا آیا۔ شام کو جب اسٹیشن پر پہنچا۔ تو حضرت کا مکتوب گرامی اپنے خادم کے نام پہنچا۔ کہ ایک ماہ کا خرچ کیا ہوگا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آقا اپنے غلام کو نوازتا ہے۔ اور اس کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہے۔ کہ وہ الحکم کے بقا کیلئے خود خاندان نبوت سے ہی مدد چاہتا ہے۔ میں نے بصد امتنان اخراجات ایک ماہ کی تفصیل لکھدی اور میں حیدرآباد چلا آیا۔

(۹)

میں نے اس تحریک کی تفصیل اس مقصد سے کی ہے۔ کہ تا احباب کے ایمان تازہ ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انفاس قدسیہ نے اور آپ کی نیم شبی دعاؤں نے (جو اولاد کے حق میں کی ہیں) اس ذریت طیبہ کے قلوب میں اشاعت سلسلہ کے لئے کس قدر جوش اور ایثار پیدا کیا ہے۔ وہ اس راہ میں سب کچھ قربان کر دینا اور آفاق میں اس نام کے بلند کرنے کے لئے ہر تحریک میں آگے بڑھنا اپنا مقصد زندگی سمجھتے ہیں۔ جہانتک الحکم کی مادی اعانت کا مسئلہ سال رواں کے لئے ہے۔ وہ ابناء فارس کی توجہ نے حل کر دیا ہے۔ اس سال میں اب کوئی اپیل نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں۔ کہ بہت سے احباب اب ایسے ہوں گے۔ جو خواہش کریں گے۔ کہ ان کو بھی موقعہ دیا جاوے تاکہ وہ انصار الحکم کی اس جماعت میں شریک ہو سکیں۔ جس کی قیادت اور سرپرستی حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور خاندان نبوت کے گہر ہائے درخشندہ کو حاصل ہے۔ اور جس پر الحکم کو جائز ناز ہے۔ یہ اعانت خواہ وہ کتنی ہی کثیر رقم کی ہو۔ اس سال کے لئے میں قبول نہ کروں گا۔ ایسے دوستوں کو سال آئندہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ کہ پھر ایسا موقعہ پیش آتا ہے یا نہیں۔ البتہ میں ان معاونین کو شریک رکھوں گا۔ جن کے نام پہلے دے آیا ہوں۔

دوسرے احباب سے میں اتنا کہوں گا۔ کہ الحکم تجارتی اصول پر کبھی چلایا نہیں گیا۔ اللہ تعالے نے اس کے موسس اور ایڈیٹر اول کو کچھ عرصہ کے لئے الحکم کے عملی انتظام سے الگ کر کے اور دنیوی حیثیت سے ایک امتیازی درجہ دیکر محض اپنے فضل سے بتا دیا ہے۔ کہ جو اسے تجارتی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ غلطی کرتے ہیں۔ الحکم کو خدا تعالے نے اپنے محض فضل سے یہ امتیاز بخشا کہ اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمات طیبات آپ پر نازل شدہ وحی۔ آپ کے مکتوبات اور تاریخ سلسلہ کی حفاظت و اشاعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو فرمایا۔ آؤ ہم اس بازو کو ظاہری شکل میں قائم رکھنے کے لئے تھوڑی سی قربانی کریں۔

جن احباب کے ذمہ بقایا ہے۔ وہ جس قدر اپنے حساب سے سمجھتے ہیں ادا کر دیں۔ اور جو خریدار نہیں۔ خریدار ہوں۔ اور دوسروں کو تحریک کریں۔ وہ انصار الحکم ہو کر اللہ تعالے کے فضلوں کے وارث ہوں۔ اور اجتماعی طور پر جیسا کہ انجمن احمدیہ سرگودھا نے اقدام کیا ہے۔ ہر انجمن اسکو خرید کرے۔ میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے۔ کہ اسکی رضا کی راہوں پر بشاشت سے قدم زن ہوں۔ اور میں ان تمام معاونین کے لئے دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کا ہر میدان میں حامی و ناصر ہو۔ آمین۔ (خاکسار عرفانی)

بقیہ صفحہ ۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں بیان ہو چکے ہیں۔ اور خدا تعالے نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کہ ہمارا کیا مقصد ہے۔ اب اگر ہم مثلاً کوئی جلسہ کریں۔ جس میں تبلیغ کے مسئلہ پر غور کریں۔ اور اس غرض کے لئے کوئی ایک میدان تجویز کر لیں۔ تو یہ بالکل فضول بات ہوگی۔ کیونکہ خدا تعالے نے اس مقصد کو ہمارے سامنے پہلے ہی رکھا ہوا ہے۔ اور پہلے سے اس نے کہہ دیا ہے۔ کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" (تذکرہ صفحہ ۳۰۵)

پس مقصد ہمارے سامنے موجود ہے۔ کوئی خاص علاقہ یا کوئی خاص ملک تبلیغ کے لئے تجویز کرنے کا سوال نہیں۔ خدا تعالے نے ہمارا یہ مقصد قرار دیا ہے۔ کہ ہم دنیا کے کناروں تک اسلام اور احمدیت کی تبلیغ پہنچائیں۔ اسی طرح اور تمام مقاصد جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ وہ سارے کے سارے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں ان اعلےٰ مقامات تک بیان کر دیئے گئے ہیں جن تک کسی زمانہ میں جماعت احمدیہ پہنچیگی۔ مثلاً تبلیغ کا ایک پہلو تو یہ بیان فرمایا۔ کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" اور دوسری طرف یہ بیان فرما دیا۔ کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" (تذکرہ صفحہ ۲۷) گویا پہلے الہام میں تو تبلیغ کے علاقہ کی وسعت کا ذکر کیا۔ اور دوسرے الہام میں ارتفاع مدارج کا ذکر کر دیا۔ یعنی احمدیت کی تبلیغ گرد و پیش تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیئے۔ بلکہ ساری دنیا میں ہونی چاہیئے۔ نیز صرف غرباء اور عوام میں ہی نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ نڈر ہو کر بادشاہوں کو بھی تبلیغ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر انہیں تبلیغ نہیں ہوگی۔ تو وہ احمدی کس طرح ہوں گے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں سے برکت کس طرح ڈھونڈیں گے۔ تو یہ سارے مقاصد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اگر ان مقاصد پر ہمیں یقین ہو۔ تو ہمارے اندر ایسی گرمی اور ایسا جوش پیدا ہو جائے۔ جو ان ساری غفلتوں اور سستیوں کو دور کر دے۔ جو جماعت کے ایک حصہ میں پائی جاتی ہیں۔

دنیا میں ہمیں یہ ایک عام قاعدہ دکھائی دیتا ہے۔ کہ جتنا بڑا کام ہو۔ اتنی ہی انسان اس کے لئے جد و جہد اور محنت کرتا ہے۔ اور اگر کوئی بڑا مقصد سامنے نہ ہو۔ تو چست تو کام کرتے رہتے ہیں۔ سست نہیں کرتے۔ پس یہ یقینی بات ہے۔ کہ اگر بڑا مقصد سامنے ہوگا۔ تو اس کے لحاظ سے ہر شخص کے اندر خواہ وہ کس قدر سست کیوں نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ گرمی پیدا ہو جائے گی۔ ایک سست الوجود بعض دفعہ گھنٹوں چارپائی پر لیٹا رہتا ہے۔ سو کر اٹھتا ہے۔ تو پاخانہ پیشاب کے لئے بھی لیت و لعل کرتا رہتا ہے۔ اس کے عزیز اور رشتہ دار بار بار کہتے ہیں اٹھو دیر ہو رہی ہے۔ ہاتھ منہ دھو کر ناشتہ کر لو۔ مگر وہ جلدی اٹھنے کا نام نہیں لیتا۔ اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لگا دیتا ہے۔ لیکن جب ریل کے سٹیشن پر وہ اسمعت افسان کھڑا ہو۔ تو اس وقت وہ ایسی سستی نہیں دکھاتا۔ بے شک یہ تو ہو جائیگا*

*...طور پر چستی پیدا ہو جائے گی اور جو چست ہیں وہ پہلے سے بھی زیادہ چست ہو جائیں گے۔ (باقی آئندہ)

حقائق و معارف

(۷)

سورۂ ہود

(مرتبہ حضرت عرفانی کبیر صاحب)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ کریں الحکم مورخہ ۷، ۱۴، ۲۱ دسمبر ۱۹۴۲ء)

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب

حضرت نوحؑ نے منکرین کے ان اعتراضات کو سنا۔ اور ان کا جواب نہایت صاف اور سیدھے طریق پر دیا۔ حضرت نوحؑ نے بھی اپنے جواب میں اسی ترتیب اور طریق کو مدنظر رکھا۔ جو منکرین نے اختیار کی تھی۔ یعنی پہلے اپنی ذات کے متعلق جواب دیا۔ اور پھر اپنے متبعین کے متعلق۔ اور اس جواب میں حضرت نوحؑ نے کامن سنس کو اپیل کیا ہے۔ فرمایا۔

قال یقوم أرءیتم ان کنت علی بینۃ

نوحؑ نے کہا۔ اے میری قوم دیکھو تو سہی اگر مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے دلیل اور رحمت مل جاوے۔ اور وہ دلیل اور رحمت تم کو نہ ملے یا تم کو نظر نہ آئے اور تم سے پوشیدہ رکھی جائے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تمہیں دے سکیں۔ بحالیکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ الآیۃ

دوسرا جواب اپنی ذات کے متعلق یہ ہے۔ ویقوم لا اسئلکم اور اے میری قوم میں تو تم سے اس دعوت و انذار پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی پر ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ ہر کام کے لئے کوئی محرک اور موٹو ہوتا ہے۔ جب میں تم سے کچھ مانگتا نہیں۔ اور کوئی محرک اس کا نہیں۔ تو میں خدا پر کیوں افترا کرتا۔

اس مقام تک حضرت نوح اپنی ذات کے متعلق اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ تم جو کہتے ہو۔ کہ میں تمہارے جیسا بشر ہی ہوں۔ اور کوئی نرالی شکل و صورت نہیں رکھتا۔ یا اکتسابی علوم میں کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اور اسلئے مجھے روحانی قوتیں اور خدا تعالےٰ سے مکالمہ مخاطبہ کا شرف اور عزت بھی نہیں مل سکتی۔ یہ استدلال تمہارا منظور ہے۔ اول اسلئے کہ عدم علم سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ فرض کرو۔ مجھے میرے رب کی طرف سے کچھ دلائل ملے ہوں۔ اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے حصہ دیا ہو۔ اور رحمت اور بینات تمکو نظر نہ آئیں۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائیگا۔ کہ مجھے بھی نہیں ملا۔ تمہاری نابینائی سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

سنو! حقیقت کے معلوم کرنے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ انسان اس پر غور کرے۔ اور اس طریق پر غور کرے۔ جو اس کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ اگر وہ اس پر غور نہیں کرتا۔ اور اس طریق سے غور نہیں کرتا۔ جو اس کے لئے مقرر ہے۔ تو کیونکر فائدہ اٹھائے گا۔ مثلاً دینی علوم کے حاصل کرنے کا جو طریق ہے۔ اسے چھوڑ دے۔ اور پھر یہ خواہش کرے۔ کہ ان کا عالم ہو جائے۔ تو یہ حماقت ہوگی۔ یہی حال روحانیات اور آسمانی علوم کا ہے۔ ان صداقتوں کا علم اور ان حقائق کا انکشاف اسی وقت ہوگا۔ جب صحیح طریق پر غور کیا جائے۔ پس نوح علیہ السلام نے ان سرداران کفر کو بتایا۔ کہ جب تم غور ہی نہیں کرتے۔ تو تم کو اس حقیقت کا پتہ کیونکر لگے۔ پھر دوسری بات یہ ہے۔ کہ حقائق اسی وقت معلوم ہوتے ہیں۔ جب ان کے لئے میلان پیدا کیا جاوے۔ تم تو میلان ہی پیدا نہیں کرتے۔ تو کیونکر سمجھ آوے اور جبری ہدایت۔ مذہب میں نہیں۔ استبدادی رنگ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو تمہاری اس دلیل کا جواب ہے۔ جو میری ظاہری ہیئت و حالت کے لحاظ سے تم نے پیش کی۔ میں اس پر تمہارے کامن سنس کو اپیل کرتا ہوں۔

دیکھو! دنیا میں ہر کام کا کوئی محرک اور غرض ہوتی ہے۔ میں جو تمہیں عذاب یوم الیم سے آگاہ کرتا ہوں۔ اس میں میری ذاتی غرض کیا ہے؟ دنیا میں سب سے بڑی مرغوب چیز مال ہے۔ تم ہی بتاؤ۔ کہ کیا میں نے تم سے کوئی مال مانگا ہے۔ اور اپنے اس مشن و دعوت کا کوئی اجر تم سے طلب کیا ہے؟ اور جب کوئی مال اور اجر میں تم سے طلب نہیں کرتا۔ اور میری کوئی مخفی غرض اس میں نہیں۔ پھر یہ تو عام عقل کی بات ہے۔ کہ جب میں تم سے مال اور کسی قسم کا اجر نہیں چاہتا۔ اور تمہارے نفع اور فائدہ کی بات کہتا ہوں۔ تو تم اس پر کیوں توجہ نہیں کرتے۔

میرے متبعین کے متعلق جو تم اعتراض کرتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے۔

وما انا بطارد الذین اٰمنوا الآیۃ۔

میں ان لوگوں کو جو مومن ہوئے ہیں۔ رد نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں (میری ذاتی رائے پوچھو تو مجھے تو جاہل ہی نظر آتے ہو۔

حضرت نوح کے متبعین پر منکروں نے دو قسم کے اعتراض کئے تھے۔ اول یہ کہ وہ ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ حضرت نوح نے جواب میں اسکو چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے کہ انبیا علیہم السلام کسی کو حقیر اور ادنیٰ نہیں سمجھتے۔ ان کے ہاں شرف و اکرام کا معیار وہ نہیں ہوتا۔ جو دوسرے لوگوں کے نزدیک ہوتا ہے۔ وہ نفس انسانیت کو اپنی جگہ معزز ہی جانتے ہیں۔ اور باقی اکرام کا معیار تقوےٰ ہوتا ہے۔ پس اس اعتراض کی حقیقت ہی کچھ نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ تھا۔ کہ وہ دل سے ماننے والے نہیں۔ یا انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دل کا معاملہ تو خدا کے ساتھ ہے۔ انہوں نے خدا کے پیغام کو سنکر مجھے مانا ہے۔ اور میرا تو ظاہر کے ساتھ معاملہ ہے۔ جب انہوں نے میرا انکار نہیں کیا۔ بلکہ تصدیق کی ہے۔ اور باوجود اس کے کہ تمہارے جیسے لوگ مخالف ہیں۔ تو میں ان کے اس ایمان کی عزت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میں انہیں رد نہیں کر سکتا۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ

تم جاہل لوگ ہو

نبی کے ابتدائی زمانہ میں کسی کا مان لینا معمولی بات نہیں ہوتی۔ یہ بہت بڑی قربانی کو چاہتا ہے۔ اس لئے کہ بڑے بڑے لوگ مخالف ہوتے ہیں۔ اور ہر طرف سے مختلف قسم کی تکلیفیں اور اذیتیں دی جاتی ہیں۔ ان حالات میں جو شخص نبی کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ درحقیقت بہت بڑی قربانی کرتا ہے۔ اور اپنے نفس پر ایک موت وارد کر کے

اس صداقت کو قبول کرتا ہے

پس ان لوگوں نے جو مجھے قبول کیا ہے۔ وہ منافقانہ رنگ میں نہیں بلکہ اس ایمان کی تہ میں ایک ہی بات ہے۔ انھم ملٰقوا ربھم۔ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے کا یقین کامل رکھتے ہیں۔

اس بصیرت اور شعور سے انہوں نے مجھ کو مانا ہے۔ تمہارے اس قسم کے اعتراضات اور تمہارا انکار تو یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ تم جاہل ہو۔ چونکہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے متبعین کو اراذلنا بادی الرای کہا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے معقولیت کے ساتھ بتا دیا۔ کہ

حق کے ماننے والے ہی معزز اور ذی علم اور ذی فہم لوگ ہوتے ہیں

تمہارا انکار اور مخالفت اور اس قسم کے اعتراضات تمہاری جہالت کے پردہ در ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی ایک شان

حضرت نوحؑ نے جو طریق جواب اختیار کیا ہے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کی ایک خاص شان کا پتہ لگتا ہے۔ کہ وہ اپنے متبعین کے لئے کس قدر غیور ہوتے ہیں۔ اور اپنی ذات کو بھی ان کے لئے قربان کرنے سے مضائقہ نہیں کرتے۔ حضرت نوح نے اپنے ذاتی اعتراض کو اس قدر اہمیت نہیں دی۔ مگر اپنے متبعین کے متعلق اعتراض کا جواب دیتے وقت کس قدر تصریح کی ہے۔ اور نہایت قابلیت کے ساتھ ان کے حملہ کا جواب دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے رذیل کہنے کا بھی جواب دے دیا اور ان کو واقعات حقہ کی بناء پر جاہل قرار دیا۔

اسی سلسلہ میں یعنی اپنے متبعین کے متعلق اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ویقوم من ینصرنی من اللہ ان طردتھم افلا تذکرون۔

یعنی اے میری قوم تم جانتے ہو۔ کہ مجھے تم سے کوئی ذاتی غرض نہیں۔ اور مجھکو خدا تعالےٰ سے غرض ہے۔ اور یہ لوگ خدا کی رضا کے لئے مجھ پر ایمان لائے ہیں۔ پھر تمہاری خاطر میں ان کو نکال دوں۔ جو خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔ خدا تعالےٰ تو اپنے وعدہ کے موافق ان کو لایا ہے۔ اور یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو بامراد کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایسی حالت میں

اے میری قوم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کون میری مدد کریگا۔ اگر میں ان کو اپنے پاس سے دور کر دوں۔ پس تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

اس جواب میں حضرت نوحؑ نے اپنے متبعین کی اس شان کو ظاہر کیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی ہے۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ کو پیارے ہیں۔ اور میں باوجودیکہ خدا کا نبی ہوں۔ اگر میں اپنے پاس سے ان کو نکال دوں۔ تو خدا تعالیٰ میری پروا بھی نہیں کرے گا۔ تو کون میرا مددگار ہو سکتا ہے۔ پس تم جو ان لوگوں کی مخالفت کرتے ہو۔ تم نہیں سمجھتے۔ کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ عذاب الٰہی تم پر آجاویگا۔ تم کیوں عقل نہیں کرتے؟۔

نہایت ہی لطیف طریق پر حضرت نوح نے ان منکرین کو عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کے لئے غیرت رکھتا ہے۔ اس میں یہ بھی سبق ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے ماننے والی قوم کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کو اسی طرح غیرت ہوتی ہے جیسے اپنے نبیوں کے لئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو نایاب مکتوب

نصف صدی قبل کی تحریریں

ہم ملک فضل حسین صاحب کے ازحد مشکور ہیں۔ جن کی سعی اور توجہ سے بعض ایسی نایاب چیزیں سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں بطور اضافہ داخل ہوئی ہیں۔ جن کی طرف اب تک توجہ نہیں ہوئی تھی۔ مہاشہ صاحب کی صحت ایک عرصہ سے بگڑ چکی ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ مردانہ وار کام کر رہے ہیں۔

دو تین دن کی بات ہے۔ بارش ہو رہی تھی۔ مہاشہ صاحب کاغذات کا بنڈل بغل میں دبائے سخت کیچڑ میں چلے آ رہے تھے۔ دفتر الحکم کے پاس سے گزرے۔ میں اتفاقاً اپنے برآمدے میں کھڑا تھا۔ مہاشہ صاحب کی بیماری اور ان کی اس جوانمردی کو دیکھ کر میں نے کہا۔ مہاشہ صاحب! امام ابوحنیفہؒ والا لطیفہ یاد ہے۔ مہاشہ صاحب مسکرائے۔ اور کہنے لگے۔ کہ گرنے والا میں نے کہاں! تو کہنے لگے تو بہ جی ہم کہاں اور وہ کہاں۔ پھر کہا کہ فرض منصبی بھی کچھ چیز ہے۔ اس لئے آنا ضروری تھا۔ میری اس واقعہ کے لکھنے سے یہ غرض ہے۔ کہ باوجود ایک شدید بیماری کے مہاشہ صاحب کا شوق۔ جوش۔ عشق۔ محبت جنون کے درجے کو پہنچا ہوا ہے۔ ایسے کارکن اور ورکر کے لئے احباب جس قدر دعا کریں۔ اس قدر اپنا ہی فائدہ ہے۔ مہاشہ صاحب کا وجود ایک خادم سلسلہ کی حیثیت سے بڑا مفید اور کار آمد ہے۔ اس لئے شکر گذاری کی روح کے ساتھ ان مکتوبات کی اشاعت کے ساتھ احباب سے ان کی درازئ عمر۔ صحت اور فارغ البالی کے لئے دعا کی تحریک کرتا ہوں۔ ان مکتوبات گرامی کو میں الفضل سے لیکر الحکم میں شائع کرتا ہوں۔ تاکہ الحکم کا ریکارڈ بھی مکمل رہے (ایڈیٹر)

ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو مکتوب درج کئے جاتے ہیں۔ جو حضور نے ۱۸۸۸ء و ۱۸۸۹ء میں مولوی امام الدین صاحب پنشنر منصف ساکن لاہور کے نام صاحب موصوف کے دو خطوط کے جواب میں مختلف اوقات میں اور آج سے تقریباً ۴۵ سال قبل رقم فرمائے تھے۔ جو مولوی صاحب نے اپنے شائع کردہ رسالہ موسومہ "خط و کتابت" کے صفحہ ۵-۴ پر درج کئے ہیں۔

خاکسار (ملک) فضل حسین کارکن صیغہ تالیف تصنیف)

خط نمبر ۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہٗ و نصلی۔ مکرمی۔ السلام علیکم عنایت نامہ پہنچا۔ میری نسبت جو آنمکرم خود ستائی و استکبار یا کسی بے جا دعا کا ظن رکھتے ہیں۔ اس ظن کی بنا صرف بے خبری و ناواقفیت پر ہے۔ بہتوں نے نبیوں کی نسبت بھی ایسے ہی ظن کئے۔ پھر جب کسی وقت صحبت میسر آئی۔ تو جس کو حق کے ساتھ مناسبت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس کے وساوس دور کر دیئے۔ سو اگر آپ صحبت سے ہی دور رہیں۔ اور ملاقات سے کارہ۔ تو پھر اس بیماری کا کیونکر علاج ہو۔ دعا بھی انہیں لوگوں کے حق میں قبول ہوتی ہے۔ کہ جو اپنے تعصب اور سوءِ ظن کو کچھ کم کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو انکار میں غایت درجہ غلو تھا۔ ان کو اولوالعزم رسولوں کی توجہ اور دعا بھی کچھ سود مند نہ ہوئی۔

اور جو آپ اپنے وساوس کے دور کرنے کے لئے مجھے اپنے پاس بلاتے ہیں۔ میرے گمان میں اس آرزو کی بنیاد اخلاص پر نہیں۔ کیونکہ جس حالت میں آپ میری ملاقات سے بھی کارہ ہیں۔ تو آپ کو میری ملاقات کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ میرے نزدیک یہ بہتر ہے۔ کہ آپ ایک رسالہ مستقلہ اپنی رائے اور خیال کی تائید میں چھپوا کر میرے پاس بھیجدیں۔ مگر رسالہ ایسا ہونا چاہیئے۔ جس میں وہ سب دلائل مندرج ہوں۔ جن پر بتائید اپنے دعویٰ کے آپ زور دیتے ہیں۔ اس طور کی بحث سے پبلک کو بہت فائدہ متصور ہے۔ اور ہر ایک منصف کو بآسانی رائے نکالنے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ آپ کی رائے میں قرآن شریف پہلی کتابوں کا اس طور سے متمم و مکمل ہے۔ کہ جو کچھ پہلی تحریرات سے کچھ زیادہ بیان کرنا قرین مصلحت تھا صرف وہ امر زائد یا کسی قدر مفصل قرآن شریف نے بیان کر دیا ہے۔ مگر دوسری ہزارہا صداقتیں کہ جو اچھی طرح پہلی کتابوں میں بیان ہو چکی تھیں۔ وہ قرآن شریف میں پائی نہیں جاتیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہی ارادہ کیا ہے۔ کہ ان کا اعادہ قرآن شریف میں ضروری نہیں۔ ان کے لئے پہلی کتابوں کی تلاوت لازم پکڑنی چاہیئے۔ ورنہ ایمان اور علم اور عمل ناقص رہے گا۔

اب ایک دانشمند سوچ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا۔ اور قرآن شریف درحقیقت ایک ناقص کتاب تھی۔ اور اس کی تکمیل اس تمام مجموعہ کتب پر موقوف تھی۔ کہ جو حضرت آدم سے لیکر تمام متفرق قوموں کے نبیوں پر نازل ہوتی رہیں۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ خدا تعالیٰ وہ تمام کتابیں روئے زمین کے مسلمانوں کے لئے میسر کر دیتا۔ یا قرآن شریف میں ان کے نام بتلا دیتا۔ مگر اس نے تو بجز حضرت موسیٰؑ کی کتاب توریت اور حضرت داؤدؑ کی کتاب زبور اور صحف ابراہیم اور انجیل کے اور کسی کتاب کا نام بھی نہیں بتلایا۔ اور جن کتابوں کا نام بتلایا اس کے ساتھ یہ دل توڑنے والی خبر بھی دیدی۔ کہ وہ تمام کتابیں محرف اور مبدل ہیں۔ غرض اگر آپ کا یہ دعویٰ صحیح ہے۔ تو اول وہ دنیا کی تمام کتابیں آپ جمع کر کے ہم کو دکھلادیں۔ جن کے شمول و الحاق پر قرآن شریف کی تکمیل موقوف ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوں۔ تو پھر قرآن شریف ناقص رہ جاتا ہے۔ میری دانست میں آپ نے ایک ایسا فضول اور بے بنیاد دعوے اپنے ذمہ لیا ہے۔ جس کا ثبوت آپ کے لئے محال اور ممتنع ہے۔ بینات قرآنی سے آپ کیوں بھاگتے ہیں۔ کیا کبھی قرآن شریف کی تلاوت کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ۔ سو جس حالت میں اللہ جلشانہٗ آپ فرماتا ہے۔ کہ تمام پاک صداقتیں جو پہلی کتابوں میں تھیں۔ اسی کتاب میں درج ہیں۔ تو آپ ایسی جامع کتاب کو کیوں نظرِ تحقیر سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے لئے یہ طریق بہتر ہے۔ کہ چند پاک صداقتیں کسی پہلی کتاب کی جو آپ کے گمان میں قرآن شریف میں نہیں پائی جاتیں۔ اس عاجز کے سامنے پیش کریں۔ ورنہ آپ کو اس غایت درجہ کی بے ادبی سے توبہ کرنی چاہیئے۔ کہ جس کتاب کا نام اللہ جلشانہٗ نے جامع الکتب اور نور مبین رکھا ہے۔ آپ اس کتاب کو ناقص ٹھہراتے ہیں۔ آپ کو اب تک یہ بھی خبر نہیں۔ کہ خود یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ اقوام کے اقرار سے ثابت ہے۔ کہ پہلی کتابیں جو دنیا کے لوگوں پر نازل ہوئی تھیں۔ کچھ تو ان میں سے بتمامہا نابود ہو گئیں۔ اور کچھ تحریف کی گئیں اور کچھ ناقص رہ گئیں۔ اور اب بصحت و کاملیت و جامعیت دستیاب ہونا ان کتابوں کا محال ہے۔ پس آپ قرآن شریف کی کاملیت کو محال پر موقوف رکھ کر ایک زہرناک فتنہ میں لوگوں کو ڈالنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ آپ کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ اور عنقریب آپ کو ندامت کے ساتھ اس مفسد اعتقاد سے رجوع کرنا پڑے گا۔ زیادہ کیا لکھوں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ خاکسار مرزا غلام احمدؐ

از قادیان۔ ۲۸ اپریل ۱۸۸۸ء۔

خط نمبر ۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلی۔ دوست میرے دوست

جناب مولوی امام الدین صاحب سلمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ میں افسوس سے لکھتا ہوں۔ کہ بباعث بعض موسمی بیماریوں کے آپ کے خط کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں مدعا کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ اور بوجہ ضعف بشریت ایک غلطی جو آپ کے خیال پر غالب آ رہی ہے۔ اس کو رفع دفع فرماوے کہ ہر ایک ہدایت اسی کی طرف سے ہے۔ اور انشاء اللہ میرا ارادہ ہے۔ کہ براہین احمدیہ کے کسی محل پر آپ کا جواب الجواب لکھوں۔ نہ بحث کی غرض سے بلکہ اس غرض سے کہ ہادئ مطلق اس کے ذریعہ سے آپ کو راہ نمائی کرے۔ مگر میرے نزدیک اس سے پہلے مناسب ہے۔ کہ آپ بائیبل کے ان مقامات کی صاف طور پر تشریح کر دیں۔ جن سے نہ صرف یہ بات قطعاً معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ قصص و احکام خدا تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کسی عقلمند و متقی و دیندار کا بھی وہ کلام نہیں ہو سکتا۔ بائیبل میں بعض بیانات عقل و طبعی کے برخلاف ہیں۔ اور بعض خدا تعالیٰ کے تقدس اور اس کی پاک تعلیم کے برخلاف اور بعض اس کے انبیاء کی شان کے برخلاف اور بعض ایسے امور ہیں جو حال کی تحقیقاتوں سے جھوٹے ثابت ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ قرآن شریف اجمالی طور پر تمام امور ضروریہ علمی و عملی کا جامع اور تمام معارف و حقائق پر بطور ایجاد و اجمال مشتمل ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے تفصیل کا حوالہ اپنے رسول کی طرف کر دیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے۔ کہ جو کچھ رسول دے وہ لے لو۔ اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آ جاؤ۔ اور اگر فرض کے طور پر یہ خیال کیا جاوے۔ کہ بغیر بائیبل کے تکمیل قرآن شریف نہیں ہو سکتی۔ اور اگر بائیبل کو قرآن شریف کے ساتھ پڑھا جائے۔ تو پھر کوئی حکم اور دینی صداقت باہر نہیں رہے گی۔ تو یہ بھی خیالِ خام اور گمان باطل ہے۔ اور اگر آپ کو سیر احادیث نبویہ ہو۔ تو کس قدر صدہا جزئیات متعلق حقوق عباد و معاملات و حقوق باری عز اسمہٗ وغیرہ اس میں مندرج ہیں۔ اور پھر کس قدر فقہا نے ان جزئیات کی تشریح کرنے کے وقت اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اور کس قدر مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ تو آپ کو اقرار کرنا پڑے۔ ہاں بڑے زور سے اقرار کرتا ہوں۔ کہ ان ضروری امور سے تمام بائیبل خالی ہے۔ تو پھر ہم بائیبل کی تہید ستی کا شکوہ کہاں لے جائیں۔ اور کس کے پاس جا کر روویں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ انجیل اور توریت کی حالت کی نسبت یہ آیت نہایت موزون معلوم ہوتی ہے۔ واثمھما اکبر من نفعھما۔ انہوں نے اپنی قوم کو جن کے ہاتھ میں صدہا سال سے یہ کتابیں ہیں۔ کیا فائدہ پہنچایا ہے۔ جو آپ کو بھی پہنچائیں گی۔ جن کے گندہ اور غیر مہذب بیانات کی بڑے فاضل انگریز جان پورٹ دلائل جیسے قائل ہو گئے ہیں۔ اب آپ نے ان میں کیا دیکھ لیا۔ کہ آپ قائل نہیں ہوتے۔ خدا تعالیٰ رحم کرے۔ رب اغفر رب ارحم ولا تھدی نفس الا بفضلک و رحمتک و توفیقک والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ خاکسار غلام احمدؐ

مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۸۹ء۔

میری کتاب قادیان کے متعلق ایک خط کا جواب

ایک طالب علم نے ایک گمنام خط مجھے میری کتاب "مرکز احمدیت" کے متعلق لکھا ہے۔ اور اس کا جواب بذریعہ اخبار الحکم مانگا ہے۔ اس کا جواب میں لکھ رہا ہوں کہ میرے گمنام عزیز! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مجھے اس امر کی خوشی ہے۔ کہ آپ نے میری کتاب کو بہت محنت سے پڑھا ہے۔ جن ۱۳ امور کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض کا جواب تو کتاب میں موجود ہے۔ اور جن کی تشریح کی ضرورت ہے۔ میں ان کی تشریح اگلے ایڈیشن میں کر دوں گا۔

آپ کو اپنا نام اور پتہ چھپانے کی ضرورت نہ تھی۔ اسلام تو ہم کو جرأت دلیری اور بہادری کا سبق دیتا ہے۔ اور پھر اگر کوئی بات معلوم کرنے کی یا علم کے سیکھنے کی ضرورت ہو۔ تو وہاں اس قسم کی کمزوری دکھلانا تو اور بھی بُرا ہے۔ آپ میرے پاس آئیں۔ آپ کے مطلوبہ سوالات کا جواب زبانی دیدونگا۔ تاکہ آپ کے علم میں اضافہ ہو سکے۔

(محمود احمد عرفانی مصنف کتاب)

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سالانہ جلسہ

(۱)

جیسے کہ احباب کرام کو معلوم ہے۔ کہ ہمیشہ بڑے دنوں کی تعطیلات میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا ہے۔ اس سال بھی حسب معمول جلسہ آیا۔ اور خیر و خوبی سے گزر گیا۔

یہ جلسہ اپنے ساتھ بہت سی برکات لاتا ہے۔ اور افراد سلسلہ کو فرداً فرداً اور جماعت کو من حیث الجماعت اسکی برکات سے حصہ ملتا ہے۔ اس سال جلسہ سالانہ پر بہت سی ایسی مشکلات تھیں۔ کہ جن کی وجہ سے اندیشہ تھا۔ کہ جلسہ کی رونق سالہائے گذشتہ جیسی نہ ہو سکے۔ مگر اللہ تعالےٰ جو اس سلسلہ کا خود نگران و پاسبان ہے ساری مشکلات کو خود ہی دور فرما دیا کرتا ہے۔ اور اس طرح ہر دفعہ اہل بصیرت پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یہ سلسلہ انسانی منصوبوں اور تدبیروں سے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ سے چل رہا ہے۔

پہلی دقت یہ تھی۔ کہ اس سال بڑے دنوں کی تعطیلات حسب معمول نہ تھیں۔ بلکہ صرف تین رخصتیں تھیں۔ اس لئے آنے جانے والوں کے لئے بڑی دقت تھی۔

دوسری دقت یہ تھی۔ کہ ریلوے کی طرف سے نہ ریلوں کے کرایوں میں تخفیف تھی۔ اور نہ ہی ریٹرن ٹکٹوں کی سہولت تھی۔

تیسری دقت یہ تھی۔ کہ ریلوں کی تعداد کم ہو جانے کی وجہ سے سفر بہت مشکل تھا۔

چوتھی دقت یہ تھی۔ کہ ہمارے سلسلہ کے کئی ہزار نوجوان جنگ کے مختلف محکموں میں بھرتی ہو کر ہندوستان سے باہر جا چکے تھے۔ اس طرح بعض اور بھی ایسے امور تھے۔ جن کی وجہ سے قوی اندیشہ تھا۔ کہ اس سال سالانہ جلسہ کی حاضری پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔

مگر

دیکھنے والوں نے دیکھا۔ کہ ابراہیمی طیور تمام بندھنوں کو توڑ کر تمام مشکلات پر قابو پا کر بھی اس جلسہ کی برکات سے حصہ لینے کے لئے پہنچ گئے۔ مجھے اس دفعہ اپنی کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں لاہور کئی دفعہ جانا پڑا۔ آخری دفعہ میں ۲۴ دسمبر کو واپس قادیان آیا۔ لاہور سے ۵½ بجے شام گاڑی چلتی ہے۔ مگر میں ۴ بجے سٹیشن پر پہنچ گیا۔ اپنی بیماری اور کمزوری صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا باوجود اس کے کہ میں کافی وقت پہلے اسٹیشن پر آیا۔ مگر گاڑی میں قادیان آنے والے مسافر بہت زیادہ تھے۔ اسٹیشن پر احمدی مسافروں کی اکثریت تھی۔ اور عصر کی نماز باقاعدہ مہمانوں نے باجماعت پڑھی۔ قطاریں کافی لمبی اور متعدد تھیں۔ اس چیز نے دوسرے مسافروں پر گہرا اثر کیا۔ اور وہ احمدیہ جماعت کی اس مذہبی جذبہ سے متاثر نظر آتے تھے۔

(۲)

گاڑی جوں جوں قادیان کے مسافروں بڑھتے چلے جاتے تھے۔ ان میں بڑے لوگ بھی تھے۔ متوسط اور غریب بھی تھے۔ عورتیں۔ بچے اور بوڑھے بھی تھے۔ ایک جذبہ شوق ان کو کھینچ کر لیے چلا آتا تھا۔

گاڑی جب امرتسر کے اسٹیشن پر پہنچی۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ ایک انسانی دیوار پلیٹ فارم پر کھنچی ہوئی تھی۔ مرد اور عورتیں۔ بچے اپنے اپنے اسباب اٹھائے کھڑے تھے۔ شدید سردی کا وقت تھا۔ وہ لوگ اس بھری ہوئی گاڑی میں کس طرح داخل ہوئے اور کہاں بیٹھے۔ یہ میرے لئے خود ایک حیران کن معمہ بن رہا تھا۔ مگر اس امر سے باآسانی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ سیکنڈ کلاس کے فرش پر اوپر سامان رکھنے کے تختوں پر گاڑی کے دروازوں میں سب مسافر اس طرح بھرے ہوئے تھے۔ جیسے ریت کے بورے کسی جگہ بھر دیئے جائیں۔ جب یہ حالت تھی۔ سیکنڈ کلاس کے کمروں کی تو تھرڈ اور انٹر کا اندازہ آپ باسانی فرما سکتے ہیں۔

گاڑی میں باتیں سنتے ہوئے ہم نے معلوم کیا۔ کہ اکثر ملازمت پیشہ اصحاب نے اسپیشل رخصتیں جلسہ کے لئے حاصل کی تھیں۔ جن کے لئے ان کو خاصی قربانی کرنی پڑی تھی۔ یعنی بعض کو تو ایک رخصت کی وجہ سے اپنی دس رخصتوں کا حق ضائع کرنا پڑا۔ مگر آفرین ہے ان مردانِ خدا کو جو اس آب حیات کے پینے کے لئے اسقدر متوالے ہو رہے تھے۔ کہ انہوں نے ہر قیمت پر اس ساغرِ معرفت کو حاصل کرنا ضروری خیال کیا۔

(۳)

بٹالہ کے اسٹیشن پر گاڑی رکی۔ اب یہاں یہ بڑی مشکل تھی۔ کہ گاڑی سے اتریں کیسے۔ کمرے بالکل اسی طرح بھرے ہوئے تھے۔ کہ یہاں چڑھنا تو ایک طرف رہا۔ اترنا بھی بہت مشکل تھا۔ لیکن جس طرح بھی ہوا۔ زائرین قادیان اترے۔ یہاں قلیوں وغیرہ کی تنگی تھی۔ بھیڑ ایسی کہ اس میں بچوں اور عورتوں کا اپنے ساتھیوں سے الگ ہو جانا کوئی مشکل امر نہ تھا۔ لیکن ان سب مشکلات پر قابو پاتے ہوئے اچھے اچھے معزز مہمان اپنے سامانوں کو خود اٹھانے کی کوشش میں لگ رہے تھے۔ میں اس نظارے کو دیکھتا تھا۔ اور میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اور میں نے ان آنے والوں کے اخلاص اور محبت اور شوق پر فدا ہو رہا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر میں اس جذب کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ جو اس زمانے کے راستباز کا جذب تھا۔ جس نے ان باخدا لوگوں کو اپنے دام محبت میں ایسا جکڑ لیا۔ کہ اب وہ دنیا کی ہر چیز کو ہیچ خیال کر رہے ہیں۔

گاڑی بٹالہ سے اللہ اکبر۔ مرزا غلام احمدؑ کی جے امیر المومنین زندہ باد کے نعروں کے ساتھ چلی۔ قادیان جیسے جیسے قریب آ رہا تھا۔ لوگوں کا شوق بڑھ رہا تھا۔ وہ وفور شوق میں مست ہو رہے تھے۔ ان کی نگاہ مینار کی روشنی کی طرف لگی ہوئی تھی۔

(۴)

ان کی محبت بھری نگاہیں دور سے دور فضا میں پھیلی ہوئی تاریکی میں سے قادیان کے نور کو تلاش کر رہی تھیں۔ جو ان کو بالآخر نظر آیا۔ اور کئی ایک کی زبان سے نکلا کہ مینار کی روشنی۔

اللہ اللہ قادیان کی زمین کے ساتھ اس قدر وابستگی اور اس قدر محبت! کیا یہ اہل بصیرت کے لئے ایک نکتہ معرفت نہیں؟ بے شک ہے البشرطیکہ کوئی غور کرے۔

قادیان میں جلسہ سے قبل بارش ہو گئی تھی۔ راستہ بہت خراب ہو چکا تھا۔ اسٹیشن پر سواری بہت کم تھی۔ مگر میں اس ایمان کو دیکھ کر اندر ہی اندر قربان ہو رہا تھا کہ اسی خراب راستے میں عورتیں۔ بچے اور معذور سب ہی کیچڑ پچر کرتے ہوئے اپنے سروں پر سامان رکھے ہوئے چلے آ رہے تھے:

میں نے اس وقت اپنے دل سے کہا۔ کہ بے شک یہ جماعت ایک دن ساری دنیا پر چھا جائے گی۔ اور دنیا کی کوئی چیز اس کے عزم کے سامنے ٹھیر نہ سکے گی۔

(۵)

۲۵ تاریخ کی صبح کو حسب معمول سالانہ جلسہ کا افتتاح تھا۔ صبح ہی سے لوگ وفور شوق سے جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہو پڑے۔ حضرت امیر المؤمنین اپنے وقت پر تشریف لائے۔ اللہ اکبر۔ امیر المؤمنین زندہ باد کے نعروں سے ہزار ہا بندگان نے آپ کا پرخلوص ویلکم کیا۔ اور حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے حسب ذیل تقریر فرما کر سالانہ جلسہ کا افتتاح فرمایا۔

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس امر پر کہ اس نے باوجود ہماری کوششوں کی کوتاہی اور ہماری تدابیر کی خامیوں کے جماعت احمدیہ کی روز افزوں ترقی کا سلسلہ اس سال بھی اپنے فضل و کرم سے جاری رکھا اور زندہ جماعتوں کی طرح آج جبکہ ہم پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے ماتحت اسلام کی خدمت کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی سنت قدیمہ کے مطابق ہماری جماعت کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ جتنی کہ پچھلے سال تھی۔ کئی نئی بستیاں اور نئے علاقے خدا تعالےٰ نے احمدیت کے لئے فتح کئے ہیں۔ اور جہاں پہلے احمدیت کا کوئی نام لیوا نہ تھا۔ اب وہاں احمدیت پر ایمان رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اور جب تک اللہ تعالےٰ کا فضل رہے گا۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور جماعت کی روز افزوں ترقی ہوتی چلی جائیگی ہماری کوششیں تو محض رسمی طور پر اپنی عقیدت کا اظہار ہوتی ہیں۔ ورنہ نتائج تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ظاہر ہو رہے ہیں۔ ہمیں صرف اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ ہم ان وعدوں پر یقین کر لیں۔ جو خدا تعالیٰ نے احمدیت کے متعلق فرمائے ہیں۔ ان وعدوں پر یقین کر لینے سے ہمارے کام اور ہمارے عزم میں آپ ہی آپ ایک نمایاں فرق پیدا ہوتا چلا جائیگا۔

چین کا مصلح جسے ہم قرآن کریم کی اجمالی تعلیم کی روشنی میں نبی سمجھتے ہیں۔ مجھے اس کا ایک فقرہ بتغیر الفاظ احمدی جماعت کے لئے ایک مشعل راہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے کنفیوشس سے پوچھا۔ کہ آپ سب سے زیادہ اہم مقصد اپنے سامنے کیا رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ناموں کی طرف توجہ دلانا۔ پوچھنے والے نے کہا۔ اس میں اہمیت کی کونسی بات ہے۔ انہوں نے کہا۔ ساری اہمیت اسی میں ہے۔ اگر دنیا میں بادشاہ اپنے نام بادشاہ کو یاد رکھیں۔ اور رعایا اپنے نام رعایا کو یاد رکھے۔ باپ اس بات کو یاد رکھے۔ کہ وہ باپ کہلاتا ہے۔ اور بیٹا اس بات کو یاد رکھے۔ کہ اس کا نام بیٹا ہے۔ استاد اس بات کو یاد رکھے۔ کہ میرا نام استاد ہے۔ اور شاگرد اس بات کو یاد رکھے۔ کہ اس کا نام شاگرد ہے۔ تو یقیناً دنیا کی اصلاح ہو جائے گی۔

ساری خرابی اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ کہ بادشاہ اپنے آپ کو بادشاہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ ڈاکو خیال کرتا ہے۔ اور رعایا اپنے آپ کو رعایا نہیں سمجھتی۔ بلکہ باغی خیال کرتی ہے۔ باپ اپنے آپ کو باپ نہیں سمجھتا بلکہ مستغنی سمجھتا ہے۔ اور اولاد اپنے آپ کو اولاد نہیں سمجھتی۔ بلکہ آزاد جماعت خیال کرتی ہے۔

میرا بھی یہ خیال ہے۔ کہ ہماری جماعت کی ساری ترقی کی جڑ اس بات سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو یاد رکھیں۔ ہمیں کسی نئے مقصد کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سارے مقاصد جو ہمیں مدنظر رکھنے چاہئیں۔

(بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۵ کالم ۳ پر)